

نظام امارت شرعیہ کی مختصر تاریخ

ایسا دین، اعلاء کلمۃ اللہ اور خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام و فرمان کے نفاذ و اجراء کے لئے نظام امارت و تنظیم جماعت کی ضرورت و اہمیت کو ہمارے اسلاف نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ بلکہ حالات نے جب بھی اجازت دی حسب استطاعت اس اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی غصانہ جدوجہد کی ہے اور احوال و ظروف کے مطابق بتوفیق الیزدی مکی و مدنی دونوں جہاد کی سنتوں کو زندہ کر دکھایا ہے۔ آئندہ صفحات میں اکابر رحمہم اللہ کی اسی انقلابی جدوجہد کی مختصر تاریخ پیش کی جا رہی ہے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے شبہات کے پردے ہٹیں گے۔ خدشات کے زخم مندمل ہوں گے۔ مسافران منزل کو حوصلہ ملے گا۔ اور اس راہ کی صعوبتوں کے تصور نے جن کی ہمتیں پست کر دی ہیں۔ ان میں بھی قدم سے قدم ملا کر چلنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

امارت شرعیہ کی تاریخ | قیام امارت کی ضرورت علمائے اسلام نے اسی وقت محسوس کر لی تھی۔ جب کہ ہندوستان کی مسلم حکومت کا چراغ مغل کے دیئے کی طرح ٹٹمانے لگا تھا۔ چنانچہ اس عہد کے جماعت علماء کے سربراہ اور خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دارالحرپ اور قیام امارت اسی احساس کا جراثیم مندانہ اظہار تھا اور اس فتویٰ کو غیر منقسم ہندوستان میں پہلی بار جس جماعت نے عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا وہ بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی ساختہ پر داختہ تھی۔ یعنی حضرت سید احمد شہید بریلوی اور آپ کے رفقاء کا۔ اس اجمال کی تفصیل جناب غلام رسول مہر کی زبانی سنئے :-

”سید صاحب سرحد شریف لائے تھے تو آپ کو یقین ہو گا کہ شرع شریف کے احکام کی پابندی اور اسلامیات پر فداکاری میں اہل سرحد مسلمانان ہند سے فائق و برتر ہوں گے۔ لیکن یہاں پہنچ کر دو برس تک ایک ایک بلقے کے احوال و مراسم دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی رچی ہے اور واقعہ بھی یہی تھا۔ اس وقت اہل سرحد کی زندگی جاہلیت کے الوات سے آلودہ تھی لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ سر و سامان جہاد کے ساتھ ساتھ انہیں اسلامیت کا پابند بنایا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ جہاد کی بیعت کے ساتھ ساتھ سب سے اقامت شریعت کی بیعت بھی لی جائے۔ پٹھانوں کی اصلاح و تنظیم

کے سلسلے میں یہ دوسرا قدم تھا۔

چنانچہ فیصلہ کے مطابق کام کا آغاز کر دیا گیا۔ اور منفرد ہزاروں آدمیوں نے سید صاحب کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ لیکن اصل غرض انفرادی قبول و پذیرائی سے نہیں پوری ہو سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ ایک ہمہ گیر نظام پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے علماء و اکابر کا اجتماع تھا۔ اس اجتماع کے لئے پنجتارہ کا انتخاب کیا گیا۔

چنانچہ سید صاحب اپنی جماعت کے ساتھ رئیس پنجتارہ فتح خان کی دعوت پر وہاں پہنچے اور پہنچتے ہی بیعت شریعت کے لئے دعوت عام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں مختلف بستیوں اور قبیلوں میں دورے فرماتے اور علماء و اکابر کو جمع کر کے پابندی احکام اسلام کی ہدایت کرتے۔ دوروں اور وعظ و نصیحت کے ذریعے سے قبول عام کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ تو فیصلہ ہوا کہ پنجتارہ میں اجتماع عظیم منعقد کیا جائے۔ جس میں سید صاحب کے ہر حصے علماء و خوانین شریک رہیں۔ یکم شعبان ۱۲۴۲ھ (۶ فروری ۱۸۲۹ء) کی تاریخ اور جمعہ کا دن اس اجتماع کے لئے تجویز ہوا۔ خوانین و اکابر کے علاوہ دو ہزار کے قریب علماء اس موقع پر آئے۔ اتنے ہی ان کے تلامذہ تھے۔ بعض سکاتیب میں سے قریب ہزار علماء و طلبہ تھے۔ اس اجتماع میں سید صاحب نے افتتاحی تقریر فرمائی۔ جس کے آخر میں اہل پنجتارہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ ہماری بات ماننا چاہتے ہیں تو اسی مجمع میں مان لیجئے ورنہ اتحاد کا رشتہ کٹ جائے گا میں خدا سے حزم کا ایک عاجز بندہ ہوں میری خواہش اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب لوگ احکام الہی کے فرماں بردار بن جائیں۔

تقریر پوری کر کے سید صاحب خود مجمع میں سے اٹھ گئے۔ علماء آپس میں مشورے کرتے رہے آخر اس فیصلے پر پہنچے کہ ”نظام شرعی کا قیام“ لازم ہے۔ نماز جمعہ کے بعد سب نے سید صاحب کے ہاتھ پر ”اقامت شریعت“ کے لئے بیعت استغفار اور اس کا جواب نماز کے بعد ایک استغفار علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ

”اگر کوئی شخص امام کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد خدمت دین اور اجرائے شرع مبین کے سلسلے میں امام کے کسی حکم کو رد کر دے اور مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے، بلکہ جدال و قتال میں بھی شہادت نہ ہو۔ تو اس نے اور اس کے ساتھیوں کے متعلق شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟“

علماء نے غور و فکر کے بعد اس کا مفصل جواب مرتب کیا اس کے مطابق خلاصہ یہ تھا۔

- ۱۔ اثبات امامت کے بعد حکم امام سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔
- ۲۔ مخالفوں کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فتنہ ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکالیں اور امام کے حکم کو بزدل مخالفوں پر نافذ کریں۔
- ۳۔ اس معرکے میں لشکر اسلام میں سے جو شخص قتل ہو گا وہ شہید سمجھا جائے گا۔ اور لشکر مخالف کے مقتولین مردہ ناری متصور ہوں گے۔

اس فتوے پر علماء سرحد میں سے پچیس افراد کے دستخط تھے (جن کے نام سیرت احمد شہید میں مرقوم ہیں) اصلاح عام غابہ ۱۵ شعبان ۱۲۴۲ھ کو جمعہ کے دن (۲۰ فروری ۱۸۲۹ء) پھر ایک اجتماع ہوا۔ جو فتح خاں میں پنجتار کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعت کی ترغیب دی اور انہوں نے بطیب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کر لی۔ پھر مختلف علاقوں کے لئے سید صاحب نے قاضی مقرر فرمادے۔

مولوی سید محمد جان کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ ملا قطب الدین ننگرہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا۔ اور تنہیں تفلگی ان کے ساتھ مقرر کئے گئے اور قریب قریب دورہ کرتے رہے جہاں کوئی امر خلاف شرع پاتے ان کا انسداد کرتے۔

نظام امارت کا اثر | رادیوں کا بیان ہے کہ تحفوری مدت میں پورے علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ تمام لوگوں نے شریعت کی پابندی اختیار کر لی۔ پختہ داریاں ٹوٹ گئیں۔ مقامات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ اگر ملا قطب الدین کے آدمی دوسرے کام کے سلسلے میں کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والے دوسرے ہوئے اتنے اور بتاتے کہ یہاں کوئی بے نماز نہیں رہا۔ ایک سوال | کیا بیعت اقامت شریعت کے بعد سید صاحب کے اختیارات فرماں رسانی میں کوئی اضافہ ہوا؟ اس جواب نفی میں ہے۔ بیعت اقامت نے سید صاحب کو نظم قوائے جہاد کا مجاز بنایا تھا۔ بیعت اقامت شریعت کو روتے و دابڑائے احکام شریعتی کام کو مزین کئے۔ رؤسا و خوانین پر صرف اس حد تک پابندیاں عائد ہوئیں جو انہیں جواز دے شریعت حلقہ ضروری تھیں۔ لیکن ان کی ریاستیں اور سرداریاں بدستور قائم رہیں۔ (سیرت احمد شہید ج ۲ ص ۸۳)

ضروری تنہیں | یہ بات نہیں نشین رہے کہ یہ بیعت شریعت، بیعت جہاد سے الگ ہے۔ چنانچہ غلام رسول مہر صاحب نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ وہ بیعت جہاد کی بحث کو ختم کر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

”یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض سوانح نگاروں نے بیعت امارت جہاد اور بیعت اقامت شریعت کو مخلوط کر دیا ہے حالانکہ دونوں بیعتیں الگ الگ ہوتی تھیں۔ اور ان میں کم و بیش دو سال دو ماہ کا فاصلہ ہے۔“

(سیرت احمد شہید ج ۱ ص ۸۰)

۲۔ نظام امارت کی دوبارہ تاسیس | حضرت امام سید احمد شہید کے واقعہ شہادت (۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ) کے بعد باقی ماندہ مجاہدین نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کو (جو امام شہید کے مخصوص احباب میں تھے) اپنا امیر بنا لیا پھر ۱۲۵ھ میں جیسے شیخ نصیر الدین دہلوی داماد حضرت شاہ صاحب محمد اسحاق دہلوی (حضرت حاجی اداو اللہ مہاجر کی کے مرشد اول ہجرت مجاہدین کے مرکز استعجاب نہ پہنچے تو تمام مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور انہیں اپنا امیر منتخب کر لیا لیکن ان مجاہدین کی جماعت میں حضرت امام شہید کی غیبت و رجعت کے جدید نظریے کی وجہ سے اجتماعیت قائم نہ رہ سکی اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شیخ نصیر الدین دہلوی نے اگرچہ ان کے انتشار و اختلاف کو دور کرنے کی بہت کوشش کی مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کی بنا پر اعلا کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کا وہ سلسلہ جسے امام شہید

جاری فرمایا تھا اور ان کی شہادت کے بعد منقطع ہو گیا تھا دوبارہ شروع نہ ہو سکا۔ مجاہدین کے اسی انتشار کے زمانہ میں مولوی نصیر الدین دہلوی کا ۱۳۵۶ھ میں انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد مجاہدین کی قیادت و سیادت کی ذمہ داری مولانا ولایت علی سہارنپوری نے سنبھالی۔ چونکہ نظریہ غلبیت و رجبت کے مولانا زبردست حامی و موافق تھے۔ اور عقیدہ کی رو سے امام شہید کے ظہور کے بعد انہی کی معیت میں پہاڑ کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے ان کے عہد امارت میں بھی حضرت امام شہید کے عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی جو ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تھے انہیں ہندوستان میں اس بابرکت جدوجہد کو دوبارہ شروع کئے جانے کی بڑی تمنا تھی۔ اور ان کی تدبیروں پر اکثر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی بغرض حج و زیارت حرمین شریفین پہنچے۔ اور تقریباً دو سال اس ارض مقدس میں مقیم رہے۔ اور اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی مجلس میں حاضری اور ان کی تربیت کی جانب خصوصی توجہ فرمائی۔ اور ہندوستان میں انقلابی جدوجہد کی ہدایت دے کر واپس بھیجا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے انہی خطوط پر جن کی ہدایات ”شاہ صاحب“ نے فرمائی تھیں۔ ہندوستان آکر استاد اکمل مولانا مملوک علی۔ مولانا مظاہر کاندھلوی۔ مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے اشتراک و تعاون کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ (التمہید للتعریف ائمۃ التجدید۔ مولانا عبید اللہ سندھی ص ۷۳)

بالآخر ۱۲۴۴ھ (۱۸۵۷ء) میں جب کہ برطانوی سامراج کے ظلم و تشدد کے خلاف برسوں کی سلگتی ہوئی آگ لاواہن کر پھوٹ پڑی۔ تو قافلہ ولی الہی کے ان مسافروں نے جو سالوں سے سامان سفر کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے تھانہ بھون کی ایک مسجد میں بیٹھ کر ملے کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ:-

”زمین اللہ کی، حکومت بادشاہ کی اور حکم الہی کے اندھا کپڑی“ کے جھوٹے دعوے کے خلاف اعلان کر دیا جائے کہ ”زمین اللہ کی، حکومت اللہ کی اور حکم اللہ کا“

ظاہر ہے کہ یہ اعلان کوئی معمولی نہ تھا بلکہ ایسا ایسی جاہر و قاهر حکومت کے خلاف اعلان جنگ تھا جس کی وسیع سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد ایک تنظیم کے تحت یہ انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ مرید غور و فکر کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اپنی ہی جماعت کے ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تقی انوی رحمۃ اللہ علیہ بحالت موجودہ اس اقدام کے شدید مخالف تھے۔ تھانہ بھون کی اسی مسجد میں ایک بار پھر مجلس شوریٰ کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھے۔ اس مجلس شوریٰ کا انعقاد کس تاریخ کو ہوا۔ ارباب حل و عقد میں سے کتنے حضرات اس میں شریک ہوئے۔ ان تفصیلات سے تاریخ کا دامن خالی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بیان سے صرف درج ذیل اکابر کے ناموں کا پتہ

۱. حضرت حاجی امداد اللہ صاحب - ۲. حضرت حافظ ضامن شہید صاحب - ۳. حضرت مولانا شیخ محمد صاحب - ۴. حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب - ۵. حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب - اول الذکر تین اکابر تو نقضانہ بھون ہی میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ آخر الذکر ہر دو بزرگوں کو ان کے گھروں سے بلایا گیا تھا۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے کی کارروائی کی تفصیل خود حضرت مدنی قدس سرہ کی زبانی سنی جائے کیونکہ اس سلسلہ الذہب کی آخری کڑی آپ کی قدآور شخصیت تھی۔ اس لئے ان سے زیادہ صحیح رپورٹ کون دے سکتا ہے۔ حضرت مدنی فرماتے ہیں۔

مجلس شوریٰ کی روداد | جب ہر دو حضرات مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما پہنچ گئے تو ایک اجتماع میں اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ حضرت نانوتوی نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا کیونکہ وہ چچا پیر تھے اس لئے ان کا ہمیشہ ادب کیا جاتا تھا (حضرت کیا دجہ ہے کہ دشمنان دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔ مولانا نانوتوی نے عرض کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔

اس پر مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم نے سکوت فرمایا۔

حافظ ضامن شہید صاحب نے فرمایا کہ بس مولانا سمجھ میں آگیا۔ اور پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی صاحب کی امارت پر | حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور بیعت اور تنظیم کی تشکیل! مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو میمنہ و میسرہ (فوج کے دائیں و بائیں بازو) کا افسر قرار دیا گیا۔

عام مسلمانوں کی | چونکہ اطراف و جوانب میں مذکورہ بالا حضرات کے علم و تقویٰ و تصوف اور تشریع کا بہت زیادہ اطاعت گزاری | شہرہ نقان حضرات کے اخلاص اور للہیت سے لوگ بہت زیادہ متاثر تھے۔ ہمیشہ سے ان کی دینداری اور خدا ترسی دیکھتے رہے تھے اس لئے بہت تھوڑی مدت میں جوق در جوق لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ نقانہ بھون اور اطراف میں اسلامی حکومت قائم کر دی گئی۔ اور انگریزوں کے ماتحت حکام نکال دیے گئے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۴۲)

اس نظام امارت کا ذکر مولانا عاشق الہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں کیا ہے۔ مگر تذکرۃ الرشید ایسے زمانہ میں ترتیب دی گئی ہے جب کہ واقعہ کو اصلی رنگ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے مولانا میرٹھی نے اجمال و توریہ سے کام لیا ہے ضرورت تھی کہ بعد کے ایڈیشنوں میں بات و وضاحت کے منافی حاشیہ ہی میں صحیح بیان کر دی جاتی۔ مگر ناشرین کی سہل انگاری سے ایسا نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ اس مجمل اور تلیج و توریہ کے پردے میں کہی گئی بات کو ماخذ نہیں بنایا جاسکتا۔

مولانا مناظر حسن گیلانی نے بھی سوانح قاضی برادری حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ابو حضرت قاری صاحب کے بیانات میں جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنی مشہور تصنیف التہبید کے ص ۹۹ پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ مجھ سے بیان کیا تھا۔ مگر حضرت شیخ نے کیا تفصیلات بیان کی تھیں۔ مولانا سندھی اس سے بالکل خاموش ہیں۔ کاش کہ مولانا ان تفصیلات کو بیان کر دیتے تو ممکن ہے کہ اس واقعہ سے متعلق کچھ اور باتیں منظر شہود پر آجائیں۔

بادشاہ دہلی کی گرفتاری اور مجاہدین حریت کی ناکامی کے بعد اس نظام امارت کا شیرازہ بکھر گیا جس کی تفصیلات مذکورہ بالا کتابوں بالخصوص نقش حیات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔ تنظیم جماعت کی تیسری کوشش | اس ناکامی کے بعد اگرچہ شیخ الہند اپنے پورے عہد میں ”ثمرۃ الترتیب“ - جمعیت الانصار - نظارۃ المعارف اور ریشمی رومال تحریک کے ذریعہ اس متنازعہ گم شدہ کی بازیافت میں کوشاں رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی تحریک کا رد عمل اتنا سنگین تھا کہ اس دور میں دین و مذہب کے نام پر کسی تنظیم کی تشکیل تو دور کی بات ہے۔ زبان پر اس کا نام لانا بھی جرم عظیم تھا۔ اس لئے باقاعدہ طور پر نظام امارت کا قیام تو اس زمانہ میں نہیں ہو سکا پھر بھی حضرت شیخ الہند اپنے مخصوص اور مستند تلامذہ اور متوسلین سے خطیہ طور پر احیاء دین کے لئے جدوجہد پر بیعت لیتے رہتے۔

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا ندھلوی بھی الہنی معتمد تلامذہ کی فہرست میں شامل تھے۔ جن سے یہ معاہدہ شرعی ہوا تھا (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت) لیکن آہستہ آہستہ جب شکوک و شبہات کے بادل کچھ چھٹے یا بالفاظ دیگر جب مجاہدین حریت کے پے درپے حملوں سے برطانوی سامراج کی قوت میں اضمحلال پیدا ہو گیا اور اسیران ظلم و ستم کو کسی حد تک امن و اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع نصیب ہوا تو ۱۳۶ سال کے طویل عرصہ کے بعد اسی بوڑھے مجاہد جسے دلازدی عمر، کثرت امراض اور ماٹھا کے تقریباً تین سالہ قید و بند کی صعوبتوں نے چارپائی پر لٹا دیا تھا لیکن اس کے حوصلے جوان اور عزائم بلند تھے) کی یہ آواز ہمارے کانوں میں گونجتی ہے ”میری چارپائی اٹھا کر جلسہ گاہ لے چلو۔ پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ لیکن براہ مہم عصری کی پیشکش اور منافست کا کہ غیروں نے نہیں بلکہ خود اپنوں نے اس صدرائے حیات افرا کو سنی اُن سنی کر دی۔

حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی نے اپنی ایک تحریر میں اسی تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”اگر علماء میں ملاہنت و منافست نہ ہوتی اور صوفیاء میں ارباباً بن دون اللہ بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک شرعی نظام کے تحت زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ اور اسلام کی

حقیقی برکات سے متمتع ہوتا۔ ان کی روح حکومت کی غلامی سے آزاد ہوتی اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا۔ (حیات سجاد ص ۱۰۷)

قصہ مختصر یہ جمعیتہ علماء کے دوسرے اجلاس میں حضرت شیخ الہند حبیبی عظیم وہمہ گیر شخصیت کی موجودگی اور ان کی شدید خواہش کے باوجود علمائے ذی مراتب امیر الہند کے انتخاب پر آمادہ نہیں ہوئے۔ تو مولانا ابوالحسن نے اپنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ امیر الہند کا مسئلہ جلد طے ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے صوبائی پیمانے پر نظام امارت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے صوبہ بہار میں اس کی دلغ بیل ڈالنے کی ہم شروع کر دی۔ چنانچہ ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ شعبان ۱۳۲۱ مئی ۱۹۲۱ء کو درجہ نگہ میں جمعیتہ علماء نے صوبہ کے اجلاس عام کے موقع پر یہ تجویز منظور کی گئی۔

”صوبہ بہار و اترلیہ (اس وقت اترلیہ مستقل صوبہ نہیں بنا تھا بلکہ صوبہ بہار ہی کا ایک جز تھا) کے حکمہ شرعیہ کے لئے ایک عالم مقتدر شخص امیر منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تمام محاکم شرعیہ، ناگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابقی شریعت ہر مسلمان کے لئے واجب العمل ہو۔ نیز تمام علماء مشائخ اس کے ماتحت ہر خدمت و حفاظت اسلام کے لئے بیعت کریں جو سمیع و طاعت کی بیعت ہوگی۔ جو بیعت طریقت سے الگ ایک ضروری اور اہم چیز ہے۔ جمعیتہ متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر کے لئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بمقام پٹنہ وسط شوال میں کیا جائے“ (تاریخ امارات ص ۵۸)

سب تجویز ۱۸/۱۹ شوال ۱۳۲۹ھ ۲۵، ۲۶ جون ۱۹۱۰ء کو یہ اجلاس پٹنہ کی مسجد پٹنہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں مولانا آزاد سبحانی اور مولانا سبحان اللہ خان کے علاوہ سو سے زیادہ صوبہ بہار کے علماء شریک ہوئے۔ چنانچہ اسی اجلاس کی دوسری نشست میں بالاتفاق شرکائے اجلاس مولانا شاہ بدر الدین پھلواری کو امیر شریعت صوبہ بہار اور مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا مبارک دن تھا جس میں باقاعدہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا سلسلہ بحمد اللہ آج تک جاری ہے۔ اب تک یکے بعد دیگرے امارت کے منصب پر چار امراء کا انتخاب ہو چکا ہے اور یہ سب جمعیتہ علماء ہی کی فکرائی میں ہوا ہے خالصتہً علی ذاک۔

۴۔ پنجاب میں امیر شریعت کا انتخاب | صوبہ بہار میں انتخاب امیر اور نظام امارت کے قیام کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی انجمن ”خدام الدین“ کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء کے موقع پر جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین علی وال پٹنہ، حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خان اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ باوجود

(باقی ص ۴۳ پر)